کی بیماری کے سننے کا ایسا اثر ہوا کہ بیان نہیں کر سکتا، شاید ان کا سگا بھائی بھی ہوتا تو اتنا ہی اثر ہوتا۔ مفتی صاحب سے معلوم ہوا کہ اُنھوں نے مشاعرے میں نہ جانے کا عہد کر لیا تھا۔ صرف آپ کی وجہ سے اُنھوں نے یہ عہد توڑا ہے۔" نواب صاحب نے کہا "بھئی تم کو ان لوگوں کی محبتوں کا حال کیا معلوم؟ یہ لوگ وہ ہیں کہ اپنے دشمن کو بھی مصیبت میں نہیں دیکھ سکتے۔ خیر اس کو جانے دو، اب یہ بتاؤ کہ تمھارا مکان خالی ہو گیا یا نہیں؟" میں نے کہا۔ "جی ہاں بالکل خالی ہے، حکم ہو تو میں بھی خدمت میں رہ کر مدد کروں۔" فرمایا "نہیں بھئی نہیں جہاں دو آدمیوں نے مل کر کسی کام میں ہاتھ ڈالا اور وہ خراب ہوا۔ تم اس انتظام کو بس مجھ پر چھوڑ دو، میں جانوں اور میرا کام جانے۔ بلکہ تم تو ادھر آنا بھی نہیں۔ تم نے آ کر اگر مین میخ نکالی تو مجھ پر دوہری تہری محنت پڑ جائے گی۔"

(۳)

ترتیب

بشعر و سخن مجلس آراستند نشستند و گفتند و برخاستند[۱۳]

میں تاریخ ابوالفداء[۱۴] کے ترجمے میں ایسا گھٹ گیا کہ سات آٹھ روز تک گھر سے باہر ہی نہ نکلا، نواب زین العابدین خاں کے شوق کی یہ حالت تھی کہ باوجود کمزوری و نقاہت کے روز صبح ہی سے جو باہر نکلتے تو کہیں رات کے آٹھ نو بجے جا کر ان کی صورت دکھائی دیتی، اس لئے ان سے ملنا نہیں ہوا کہ کچھ حال پوچھتا۔ بہر حال یہ آٹھ دن آنکھ بند کرتے گزر گئے اور مشاعرے کی تاریخ آ ہی گئی۔ ۱۴ رجب کو شام کو ساڑھے سات بجے کے قریب میں بھی مشاعرے میں جانے کو تیار ہوا۔ نواب صاحب کو دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ صبح سے جو گئے ہیں تو اب تک واپس نہیں آئے۔ گھر سے جو نکلا تو بازار میں بڑی

چہل پہل دیکھی۔ ہر شخص کی زبان پر مشاعرے کا ذکر تھا، کوئی کہتا تھا "یہ میاں کریم الدین کون ہیں؟" کوئی کہتا "بھئی کوئی ہوں مگر انتظام ایسا کیا ہے کہ دیکھ کر جی خوش ہوتا ہے"۔ میں یہ باتیں سنتا اور دل میں خوش ہوتا ہوا قاضی کے حوض پر آیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ سڑک کے دونوں جانب ٹٹیاں لگا کر اور ان میں روشنی کے گلاس جما کر رات کو دن کر دیا ہے۔ سڑک پر خوب چھڑکاؤ ہے۔ کٹورا بج رہا ہے۔ مبارک النساء بیگم کی حویلی کے بڑے پھاٹک کو گلاسوں قمقموں اور قندیلوں سے سجا کر گلزار آفتنیں کر دیا ہے۔ صدر دروازے سے اندر کی دہلیز تک روشنی کا یہ عالم ہے کہ آنکھوں میں چکا چوند آتی ہے۔ مکان کے اندر جو قدم رکھا تو ہوش جاتے رہے۔ یا اللہ! یہ میرا ہی مکان ہے یا کسی شاہی محل میں آگیا ہوں؟ گھڑی گھڑی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتا اور کہتا "واہ میاں عارف واہ تم نے تو کمال ہی کر دیا۔ کہاں وہ بیچارے کریم الدین کا مکان اور کہاں یہ شاہی ٹھاٹھ! واقعی تمھارا کہنا صحیح تھا۔ "اگر دو ہزار میں بھی کام نکل جائے تو یہ سمجھو کہ کچھ نہیں اُٹھا"۔ چونے میں ابرق ملا کر مکان میں قلعی کی گئی تھی جس کی وجہ سے در و دیوار بڑے جگ مگ جگ مگ کر رہے تھے۔ صحن کو بھروا کر تختوں کے چوکے اس طرح بچھا دیئے تھے کہ چبوترہ اور صحن برابر ہو گئے تھے۔ تختوں پر دری چاندنی کا فرش، اس پر قالینوں کا حاشیہ، پیچھے گاؤ تکیوں کی قطار، جھاڑوں، فانوسوں، ہانڈیوں دیوارگیروں، قمقموں، چینی قندیلوں اور گلاسوں کی وہ بہتات تھی کہ تمام مکان بقعۂ نور بن گیا تھا، جو چیز تھی خوبصورت، اور جو شے تھی قرینے سے۔ سامنے کی صف کے بیچوں بیچ چھوٹا سا سبز[1] مخمل کا کارچوبی شامیانہ، گنگا جمنی چوبوں پر سبز ہی ریشمی طنابوں سے استادہ تھا۔ اس کے نیچے سبز مخمل کی کارچوبی مسند، پیچھے سبز کارچوبی گاؤ تکیہ، چاروں چوبوں پر چھوٹے چھوٹے آٹھ چاندی کے فانوس نصب تھے۔ فانوس کے کنول بھی سبز چوبوں کے سنہری

---

[1] سبز رنگ دہلی کا شاہی رنگ تھا۔

کلسوں سے لگا کر نیچے تک موٹے موٹے موتیا کے گجرے، سہرے کی طرح لٹکے ہوئے بیچ کی لڑیوں کو سمیٹ کر کلابتونی ڈوریوں سے جن کے کونوں پر مقیش کے گچھے تھے، اس طرح چوبوں پر کس دیا گیا تھا کہ شامیانے کے چاروں طرف پھولوں کے دروازے بن گئے تھے۔ دیواروں میں جہاں کھونٹیاں تھیں وہاں کھونٹیوں پر، اور جہاں کھونٹیاں نہ تھیں وہاں کیلیں گاڑ کر پھولوں کے ہار لٹکا دیئے تھے۔ اس سرے سے لگا کر اُس سرے تک سفید چھت گیری کے بیچوں بیچ، موتیا کے ہار لٹکا کر لڑیوں کو چاروں طرف اس طرح کھینچ دیا گیا تھا کہ پھولوں کی چھتری بن گئی تھی۔ ایک صحنچی میں پانی کا انتظام تھا، کورے کورے گھڑے رکھے تھے اور شورے میں جست کی صراحیاں لگی ہوئی تھیں۔ دوسری صحنچی میں پان بن رہے تھے۔ باورچی خانے میں حُقّوں کا تمام سامان سلیقے سے جما ہوا تھا، جا بجا نوکر صاف ستھرے لباس پہنے دست بستہ مودب کھڑے تھے۔ تمام مکان مشک و عنبر اور اگر کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ قالینوں کے سامنے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر حُقّوں کی قطار تھی۔ حُقّے ایسے صاف ستھرے تھے کہ معلوم ہوتا تھا ابھی دکان پر سے خرید کر لائے ہیں۔ حُقّوں کے بیچ میں جو جگہ چھوٹ گئی تھی وہاں چھوٹی چھوٹی تپائیاں رکھ کر ان پر خاصدان رکھ دیئے تھے۔ خاصدانوں میں لال قندیل کی صافیوں میں لپٹے ہوئے پان، گلوریوں کو صافیوں میں اس طرح جمایا تھا کہ بیچ میں ایک تہہ پھولوں کی آگئی تھی، خاصدانوں کے برابر چھوٹی چھوٹی کشتیاں اور ان میں الائچیاں، چکنی ڈلیاں، اور بُن دھنیا، مسند کے سامنے چاندی کے دو شمعدانوں کے نیچے چاندی کے چھوٹے لگن، لگنوں میں عرق کیوڑہ، غرض کیا کہوں[1] ایک عجیب تماشا تھا، میں تو الف لیلہ کا ابوالحسن ہو گیا جدھر نظر جاتی، اُدھر ہی کی ہو رہتی۔ میں اس تماشے میں محو تھا کہ لوگوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

---

[1] بزرگوں کی زبانی دیوانِ عام کے مشاعروں کا جو حال میں نے سُنا ہے بجنسہٖ اس پر اس مشاعرے کا نقشہ قائم کیا۔

سب سے پہلے کریم الدین رسا آئے، یہ سلاطین زادے ہیں، کوئی ستّر برس کے پیٹے میں ہیں - استعدادِ علمی تو کم ہے، مگر شاعری میں اپنے برابر کسی کو نہیں سمجھتے، بہت رحم دل خوش خلق، اور سادہ مزاج ہیں - دغل فضل نام کو نہیں ہے، ملّاح کہا کرتے ہیں کہ "کشتی میں چڑھے سب سے پہلے اور اُترے سب سے پیچھے" اُنھوں نے اس مقولے کو مشاعرے سے متعلّق کر دیا ہے مشاعرے میں سب سے پہلے آتے ہیں اور جب تک ایک کر کے سب نہیں چلے جاتے، یہ اٹھنے کا نام نہیں لیتے - ایک روز کا واقعہ ہے کہ مشاعرہ ہو رہا تھا، بڑے زور سے ابر آیا، سب نے جلدی جلدی مشاعرہ ختم کیا، لوگ اپنے اپنے گھر گئے لیکن یہ ٹھہرے اپنی وضع کے پابند، جب تک سب نہ جا چکے اپنی جگہ سے نہ اُٹھے، ہاں گھڑی گھڑی جھک کر آسمان کو دیکھ لیتے تھے، اتنے میں موسلا دھار مینہ برسنا شروع ہوا، ایسا برسا کہ جل تھل بھر گئے - کہیں دو گھنٹے بعد خدا خدا کر کے ذرا مینہ برسنا تھما تو یہ بھی اُٹھے، مگر ایسا اندھیرا گھپ تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سُوجھتا تھا - مالکِ مکان نے ایک نوکر کو قندیل دے کر ساتھ کر دیا - گلیوں میں ٹخنوں ٹخنوں پانی تھا، ان بیچاروں کے پاؤں زردوزی کا قیمتی جوتا، کیچڑ میں پاؤں رکھیں تو کیسے رکھیں - آخر چپکے سے نوکر سے کہا: "تو اپنا جوتہ مجھے دے دے" اس کا جوتا کیا تھا، لیتڑے تھے وہی گھسیٹتے ہوئے چلے، اپنا جوتا بغل میں دبا لیا - قلعے پہنچ کر ایک نیا جوتہ نوکر کو دیا اور کہا: "میاں تو نے آج میرے ساتھ ایسا احسان کیا ہے کہ تمام عمر نہ بھولوں گا، جب کبھی تجھے کوئی ضرورت ہو، میرے پاس آجایا کیجیو" آگے چل کر اس بدمعاش نے ان کو بہت دق کیا، اوّل تو اس راز کا ڈھنڈورا پیٹ دیا، دوسرے ہر تیسرے چوتھے ان سے ایک دو روپے مار لاتا، مگر انھوں نے بھی "نا" نہیں کی - جب جاتا کچھ نہ کچھ سلوک ضرور کرتے -

نواب زین العابدین خاں صاحب نے بڑھ کر لبِ فرش ان کو لیا اور پوچھا: "ہیں صاحبِ عالم! میاں حیا آپ کے ساتھ نہیں آئے" مرزا رحیم الدین حیا ان کے